خطبہ جمعہ

عزیز خدا کا نام ہے۔ وہ اپنی عزت کسی کو نہیں دیتا مگر انہی کو جو اس کے لئے کھوئے گئے ہیں

عزیز ایسی ذات کو کہتے ہیں جو سب پر غالب ہو اور اس پر کوئی غالب نہ آسکے اور عزیز کے معنوں میں صرف غالب آنا نہیں بلکہ معزز ہونا بھی شامل ہے

آیات قرآن مجید، احادیث نبویہ اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ کی صفت عزیز کے مختلف پہلوؤں کا تذکرہ

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز- فرمودہ ۲۲ر فروری ۲۰۰۲ء بمطابق ۲۲ر تبلیغ ۱۳۸۱ھ ہجری شمسی بمقام مسجد فضل لندن (برطانیہ)

(خطبہ جمعہ کا یہ متن ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے)

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده و رسوله-

أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم- بسم الله الرحمٰن الرحيم -

الحمدلله رب العٰلمين - الرحمٰن الرحيم - مٰلك يوم الدين - إياك نعبد و إياك نستعين -

اهدنا الصراط المستقيم - صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين-

آج کے خطبہ جمعہ سے اللہ تعالیٰ کی صفت عزیز کا نیا مضمون شروع ہوگا۔ خلاصۃً مَیں آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی صفت عزیز کا ذکر مجموعی طور پر اٹھاسی (۸۸) دفعہ آیا ہے جس میں سے ۴۷ دفعہ عزیز کی صفت کے ساتھ حکیم کو بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ باقی مقامات میں صفت عزیز کے ساتھ ذُوانْتِقَام، قَوِیٌّ، عَلِیْمٌ، حَمِیْدٌ، رَحِیْمٌ، غَفُوْرٌ، وَھَّابٌ، غَفَّارٌ، مُقْتَدِرٌ اور جَبَّار صفات کا ذکر ملتا ہے۔

ایک اَور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ سورۃ الشعراء کے گیارہ میں سے ۸ رکوع اَلْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ کی صفات پر ختم ہوتے ہیں۔ اس مختصر بیان کے بعد اب مَیں عزیز کے لغوی معانی پیش کرتا ہوں۔

حل لغات: مفردات میں امام راغبؒ فرماتے ہیں: "العزیز ایسی ذات کو کہتے ہیں جو سب پر غالب ہو اور اس پر کوئی نہ غالب آسکے"۔ اور عزیز میں صرف غالب آنا نہیں بلکہ معزز ہونا بھی شامل ہے۔ وہ غلبہ ہو لیکن اپنی عزت اور شان کی وجہ سے۔

"اور آیت کریمہ (اِنَّہٗ لَکِتَابٌ عَزِیْزٌ) کا مطلب یہ ہے ایسی کتاب جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا اور جس کی نظیر پیش کرنا محال ہے۔

لسان العرب میں لکھا ہے: العزیز: خدا تعالیٰ کی صفات اور اُس کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے اور زجّاج کا قول ہے کہ العزیز اس ناقابلِ تسخیر ہستی کو کہتے ہیں جس پر کوئی دوسرا غالب نہیں آسکتا۔ بعض کا خیال ہے کہ العزیز قوی اور ہر چیز پر غالب ہستی کو کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ العزیز سے مراد ایسی ذات ہے جس کی طرح کوئی نہ ہو"۔

یہ بھی درست ہے کہ دنیا کے لحاظ سے آپ کسی کو بھی عزیز کہہ لیں جو مرضی بادشاہ ہو یا کوئی اور ہو۔ مگر ایسا غالب اور جو صاحب عزت وکرم ہو یہ انسان میں ممکن نہیں ہے۔ اس لئے یہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہستی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

"خدا کے اسماء میں سے ایک اسم المعزّ بھی ہے اور اس سے مراد وہ ذات ہے جو اپنے بندوں میں سے جسے چاہے عزت بخشتی ہے۔

منجد میں ہے:- العزیز بادشاہ کو بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کا اس کی رعیت پر غلبہ ہوتا ہے۔

العزیز کا ایک معنی صاحبِ شرف اور مکرّم بھی ہے۔

اب قرآن کریم کی وہ آیات آپ کے سامنے رکھتا ہوں جن میں عزیز کا ذکر ملتا ہے۔

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ . اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾ (سورۃ البقرہ: ۱۳۰)۔ اور اے ہمارے ربّ! تو ان میں انہی میں سے ایک عظیم رسول مبعوث کر جو ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے اور انہیں کتاب کی تعلیم دے اور (اس کی) حکمت بھی سکھائے اور اُن کا تزکیہ کر دے۔ یقیناً تُو ہی کامل غلبہ والا (اور) حکمت والا ہے۔

اب یہاں یاد رکھنا چاہئے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا ہے اور قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ کی طرف منسوب ہو کر یہ دعا جہاں بھی آئی ہے وہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ جب تو کتاب اور حکمت کی باتیں ان لوگوں کو سمجھا دیتا ہے تو پھر ان کا تزکیہ کرتا ہے۔ یعنی پہلے اللہ کی طرف سے آیات کی تلاوت کرتا ہے پھر حکمت کی باتیں ساری ان کو سمجھاتا ہے اور جب وہ سب سمجھ جاتے ہیں تو پھر ان کا تزکیہ کرتا ہے۔ قرآن کریم میں ہر جگہ اسی ترتیب سے یہ دعا آئی ہے لیکن قرآن کریم کی شان یہ ہے کہ جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے طور پر رسول اللہ کا ذکر فرمایا ہے جیسے سورۃ الجمعہ میں فرمایا ہے وہاں پہلے ان کو حکمت سمجھاتا ہے، پھر ان کا تزکیہ کرتا ہے ﴿یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ﴾ کہ وہ ان پر تلاوت آیات کرتے ہی ان کا تزکیہ کر دیتا ہے اور پھر ان کو علم اور حکمت سکھاتا ہے۔ اس میں ایک اور خوبصورتی کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب تزکیہ ہو جائے تبھی حکمت کی بات سمجھ آسکتی ہے۔ ورنہ اگر تزکیہ ہی نہ ہو تو حکمت کی باتیں بالکل بے معنی ہو جاتی ہیں۔ تو قرآن کریم کی عجیب شان ہے۔ فصاحت وبلاغت میں اس کا کوئی جواب نہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم جب آپؐ کے پاس ہوتے ہیں تو ہمارے دل رقّت اختیار کرتے ہیں اور ہمیں دنیا سے بے رغبتی ہوتی ہے اور ہم آخرت والوں میں سے ہو جاتے ہیں۔ اور جب ہم آپؐ سے جدا ہوتے ہیں تو ہمیں اپنے اہل سے موانست ہو جاتی ہے اور ہم اپنی اولاد سے پیار کرتے ہیں اور ہم اپنے آپ سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر تم اُسی حال میں رہو جس حال میں تُم میرے پاس سے جاتے ہو تو فرشتے تمہارے گھروں میں تمہاری زیارت کرتے۔ اور اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق نئے سرے سے لے آتا اس لئے کہ وہ گناہ کریں تا کہ اللہ ان کو بخشے ......"۔ پھر فرمایا: "تین ایسے وجود ہیں جن کی دعا ردّ نہیں کی جاتی۔ ایک امام عادل، دوم روزہ دار جب وہ روزہ افطار کرتے ہوئے دعا کرے۔ سوم مظلوم کی دعا آسمان تک پہنچتی ہے اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور ربّ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے مجھے میری عزت کی قسم مَیں ضرور تیری مدد کروں گا خواہ تھوڑی دیر بعد کروں"۔ (ترمذی کتاب صفة الجنة باب ما جاء فی صفة الجنة ونعيمها)

اس میں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ جو یہ فرماتا ہے کہ مَیں ایک ایسی مخلوق لے آؤں جو گناہ کرے اور پھر مَیں اسے بخش دوں۔ اس کو سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ شوق نہیں ہے کہ لوگ گناہ کریں۔ اصل مراد یہ ہے کہ حقیقت میں انسان کے اندر گناہ کرنے کی رغبت ہے۔ اگر انسان کے اندر یہ بات نہ ہوتی تو پھر فرشتے ہی کافی تھے، انسان کی پیدائش کی غرض ہی کوئی نہیں تھی۔ اور غفور صفت جو خدا کی ہے اس کا فرشتوں سے تعلق نہیں ہے۔ اس کا اسی قسم کی مخلوقات سے تعلق ہے جن سے غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔ تو اگر تم نے اپنی پیدائش کا مقصد ہی کھو دیا ہوتا اور تم بھی فرشتوں کی طرح اس دنیا میں پھرتے تو پھر مجھے تمہاری ضرورت کیا تھی، پھر فرشتے ہی کافی تھے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مَیں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ابلیس نے اپنے ربّ سے کہا کہ تیری عزّت اور جلال کی قسم کہ مَیں بنی آدم کو اس وقت تک کہ ارواح ان میں ہوں گمراہ کرتا رہوں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا میری عزت اور میرے جلال کی قسم مَیں اُس وقت تک ان کو بخشتا رہوں گا جب تک کہ وہ مجھ سے مغفرت طلب کرتے رہیں گے۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۲۹ مطبوعہ بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے: "اَعُوْذُ

بِعِزَّتِكَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ یَمُوْتُوْنَ"۔یعنی اے اللہ مَیں تیری ذات کی عزت کے واسطہ سے پناہ مانگتا ہوں۔ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں تو ایسا معبود ہے جس پر فنا نہیں جبکہ جن وانس مرنے والے ہیں۔

(بخاری کتاب التوحید باب قول اللہ تعالیٰ ﴿وھوالعزیز الحکیم﴾)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں ایک شخص نے حضرت ابو بکرؓ سے بدزبانی کی۔ نبی کریم ﷺ (اس کی باتوں پر) تعجب کرتے اور مسکراتے رہے۔ جب اُس شخص نے گالی گلوچ کی حد کر دی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود اُس کی ہی بعض باتیں اُس پر کوٹائیں۔ اس پر آنحضرت ﷺ ناراض ہوئے اور اُٹھ کر چل دیئے۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ آپؐ کے پیچھے گئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ آپ کی موجودگی میں مجھے گالیاں دے رہا تھا اور جب مَیں نے خود اُس کی ہی بعض باتیں اُس پر کوٹائی ہیں تو آپؐ ناراض ہو کر چل دیئے؟ آپؐ نے فرمایا: (جب تک تم خاموش تھے) تب تک ایک فرشتہ تمہارے ساتھ تھا جو تمہاری طرف سے جواب دے رہا تھا۔ پھر جب تم نے اُس کی ہی بعض باتیں اُس پر کوٹائی شروع کیں تو شیطان (درمیان میں) آگیا اور مَیں تو شیطان کے ساتھ بیٹھنے والا نہیں ہوں۔

پھر آپؐ نے فرمایا: اے ابو بکر! تین باتیں ایسی ہیں جو بالکل برحق ہیں۔ جس بندے پر کوئی ظلم ہو اور وہ اُس کا خدا کی خاطر جواب نہ دے تو اللہ تعالیٰ اُسے عزت بخشتا ہے اور اُس کی نصرت فرماتا ہے۔ اور جو شخص بھی صلہ رحمی کی خاطر عطیات دینے کا دروازہ کھولتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے اَور بھی کثرت سے عطا فرماتا ہے۔ اور جو شخص بھی (مال کی) کثرت چاہتے ہوئے مانگنے کا دروازہ کھولتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے تنگدستی میں اَور بھی بڑھا دیتا ہے۔ (مسند احمد بن حنبل۔ باقی مسند المکثرین)

اب یہ بھی ایک ایسی حقیقت ہے جو ہر شخص کے علم میں ہے کہ جو ایک دفعہ انسانوں سے مانگنے کا دروازہ کھول دیتا ہے تو اس کی بھوک کبھی بھی نہیں مٹتی اور اس کی غربت اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ تو سب سے زیادہ ضروری تو قناعت ہے کہ اللہ تعالیٰ پر قناعت کرے اور اس کے فضل سے ہی مانگے۔ وہ اپنے فضل سے پھر انسان کو بہت غنی کر دیتا ہے۔ اس لئے جن لوگوں کو رزق کی تنگی ہو ان کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ سے قناعت طلب کریں۔ اصل میں رزق جتنا زیادہ بھی ہو پھر بھی وہ انسان کی خواہش اور حسرتوں کو پورا نہیں کر سکتا۔ ابن آدم کو اگر ایک اور وادی دی جائے تو وہ کہے گا اس کے علاوہ اور بھی کچھ ہے تو دے دے۔ تو یہ جہنم کی ایک مثال ہے۔ انسان کی حرص وہوا کی جہنم کبھی ٹھنڈی نہیں ہوتی۔ ایک عالم دے دو تو ایک اور عالم اس سے مانگ لیتا ہے۔ غالب نے بھی اپنی طرف سے ایک ہلکا سا طنزیہ شعر کہا ہوا ہے۔

دونوں جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا　　یاں آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

حالانکہ حماقت کی یہ حد ہے۔ خدا تعالیٰ کے سامنے تو دونوں جہان کی بھی کوئی قیمت نہیں ہے اور انسان جتنی دفعہ بھی تکرار کرتا چلا جائے گا خدا تعالیٰ کے ہاں اس سے کچھ بھی کم نہیں ہو سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے اس کی مثال کے طور پر ایک موقع پر سوئی کے ناکے کو پانی میں ڈبو کر نکالا اور کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ بے انتہا نعمت کرے اور بیشمار عطا فرمائے تو سوئی کے ناکے کو پانی سے نکال کر جو قطرہ لگا ہوتا ہے اتنا بھی خدا تعالیٰ کے فضل کے سمندروں سے کم نہیں ہو سکتا۔ تو اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ بے انتہا مانگنا چاہئے۔ آگے اللہ کی مرضی ہے وہ سمجھتا ہے کہ کس بندے کو کس حد تک عطا کرنا چاہئے۔

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً. وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ . اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ. فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ﴾

(سورۃ البقرہ: ۲۰۹۔۲۱۰)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم سب کے سب اطاعت (کے دائرہ) میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کے پیچھے نہ چلو۔ یقیناً وہ تمہارا کھلا کھلا دشمن ہے۔ پس اگر تم اس کے بعد بھی پھسل جاؤ کہ تمہارے پاس کھلے کھلے نشان آچکے ہیں تو جان لو کہ اللہ کامل غلبہ والا (اور) حکمت والا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:-

"اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً: فرمانبرداری میں داخل ہو جاؤ۔ فرمانبرداری انسان کو کامیاب کر لیتی ہے۔ ابتدا سے یہ سبق شروع ہے۔ پہلے بتایا ﴿یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ (بقرۃ:۵)۔ پھر فرمایا: ﴿اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ﴾ (بقرۃ:۲۲) ﴿اِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی﴾ (بقرۃ:۳۹) پھر ابراہیمؑ کی طرز پر چلنے کا ارشاد کیا۔ پھر فرمایا کہ اس راہ میں جان پر بھی پڑے تو تامّل نہ کرو کیونکہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" (ضمیمہ اخبار بدر قادیان۔ ۱۶/اپریل ۱۹۰۶ء)

حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کا کلام مختصر ہوا کرتا تھا اس لئے ہر شخص فوری طور پر اس کو سمجھ نہیں سکتا۔ تو بجائے اس کے کہ مَیں اس کی تشریح میں کافی وقت لگاؤں جس طرح حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے فرمایا مَیں نے انہی الفاظ میں آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:-

"اے ایمان والو! خدا کی راہ میں اپنی گردن ڈال دو اور شیطانی راہوں کو اختیار مت کرو کہ شیطان تمہارا دشمن ہے۔ اس جگہ شیطان سے مراد وہی لوگ ہیں جو بدی کی تعلیم دیتے ہیں۔

(یادداشتیں براہین احمدیہ۔ حصہ پنجم۔ صفحہ ۱۔۲، نیز "پیغام صلح" صفحہ ۴۸)

اب یاد رکھنا چاہئے کہ انسان کے ساتھی بھی بعض دفعہ شیطان ہوتے ہیں جو بدی کی تعلیم دیتے ہیں اور یہ خیال کر لینا کہ شیطان ضرور باہر سے آتا ہے جو ہمیں بدی کی تعلیم دیتا ہے یہ بات درست نہیں۔ ہر انسان کے ساتھ خدا تعالیٰ اس کی اپنی صفت سے ملتی جلتی باتیں کرنے والے شیطانوں کو لگا دیتا ہے۔ اور بعض دفعہ ایسے شیطان بھی لگ جاتے ہیں جو کسی شخص کی اپنی صفت کے بالکل خلاف ہوں اور جس طرح ایک روحانی اثر ہوتا ہے وہ اثر ڈال دیتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی خدمت میں آپ کا ایک شاگرد حاضر ہوا۔ اس نے کہا کہ حضرت آپ کی مجلس میں بیٹھتا ہوں تو خدا تعالیٰ کی ہستی پر شک کرنے کا وہم بھی نہیں آتا۔ لیکن جب میں مسجد نور میں نماز پڑھتا ہوں تو وہاں میرے دل میں طرح طرح کے وساوس پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی فراست نے فوراً سمجھ لیا کہ اس کا ساتھی کوئی دہریہ ہے۔ آپ نے فرمایا تمہارے ساتھ کون نماز پڑھتا ہے، تم اس سے ہٹ جاؤ اور اس کو اپنے سے دور کر دو۔ پھر اس نے ایسا ہی کیا تو پھر اس کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ کبھی اس کے ذہن میں کوئی وسوسہ پیدا نہ ہوا۔ تو وساوس بھی شیطان پیدا کرتا ہے اور شیطان سے مراد صرف شیطان وہ نہیں جو فرضی شیطان ہمارے تصور کا ہے بلکہ انسانوں میں سے بڑی کثرت کے ساتھ شیاطین ہیں جو وساوس پیدا کرنے والے ہیں۔

﴿یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰی. قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ. وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ. وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ. وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ . اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ﴾ (سورۃ البقرہ: ۲۲۱)۔ اور وہ تجھ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ تُو کہہ دے ان کی اصلاح اچھی بات ہے۔ اور اگر تم ان کے ساتھ مل جل کر رہو تو وہ تمہارے بھائی بند ہی ہیں۔ اور اللہ فساد کرنے والے کا اصلاح کرنے والے سے فرق جانتا ہے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ضرور مشکل میں ڈال دیتا۔ یقیناً اللہ کامل غلبہ والا (اور) حکمت والا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ "خَیْرُ بَیْتٍ فِی الْمُسْلِمِیْنَ بَیْتٌ فِیْهِ یَتِیْمٌ یُحْسَنُ اِلَیْهِ وَشَرُّ بَیْتٍ فِی الْمُسْلِمِیْنَ بَیْتٌ فِیْهِ یَتِیْمٌ یُسَآءُ اِلَیْهِ"۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب حَقِّ الْیَتِیْم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کے گھروں میں سے بہترین گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس سے عمدہ سلوک کیا جا رہا ہو۔

اور مسلمانوں کے گھروں میں سے بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس سے بدسلوکی کی جائے۔

سنن نسائی میں ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "یقیناً دنیا کا مال ہرا بھرا میٹھا ہے اور اس مسلمان کے لئے اچھا ساتھی ہے جو اس میں سے یتیم اور مسکین اور مسافر کو دیتا ہے۔ اور وہ شخص جو مالِ ناحق لیتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو کھاتا جاتا ہے مگر اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور یہ مال اس کے خلاف قیامت کے روز گواہ ہوگا"۔

(سنن نسائی کتاب الزکوٰۃ)

عمرو بن شعیب اپنے دادا کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ میرے پاس مال نہیں ہے مگر ایک یتیم کا کفیل ہوں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ اپنے زیر کفالت یتیم کے مال سے صرف اسی قدر کھاؤ جو نہ اسراف ہو، نہ ہی فضول خرچی ہو اور نہ ہی اس کے مال سے اپنا ذاتی مال بڑھاؤ۔ اسی طرح یہ بھی نہ ہو کہ اس کے مال سے اپنا مال بچاؤ۔

(مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۲۱۵۔۲۱۶۔ مطبوعہ بیروت)

یعنی جہاں خطرہ والی جگہ ہو، جہاں خطرہ ہو کہ یہ خراب نہ ہو جائے وہاں اپنا مال دینے کی بجائے اس یتیم کا مال استعمال کر لو یہ ہرگز جائز نہیں ہے۔ یتیم کا مال تو انسان کے پاس کفالت ہے۔ اور وہ اس کا کفیل ہونے کی وجہ سے ذمہ دار ہے۔ اگر غریب ہے تو صرف اتنا اس میں سے کھا سکتا ہے کہ جو اس کو بھوک سے نجات دیدے۔ ورنہ یتیم کا مال جو کسی کے پاس ہے وہ اس کے پاس امانت ہے۔ اس کے اموال میں بددیانتی نہیں کرنی چاہئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:-

"جب لڑائی چھڑتی ہے تو اس میں مقتول بھی ہوتے ہیں اور مقتول کے بچے یتیم بھی ہوتے تھے اس لئے ان کی نسبت حکم دیا: اِصْلَاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ ان کی بہتری، بہبودی کا فکر بہت بڑی نیکی ہے۔"

(ضمیمہ اخبار بدر۔ ۱۶/اپریل ۱۹۰۹ء)

یہاں حضرت خلیفۃ المسیح اوّل نے اس معاملہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے زمانہ میں ہونے والی مدافعانہ جنگوں کی طرف پھیرا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم مدافعانہ جنگیں کیا کرتے تھے تو بہت سے لوگ شہید بھی ہو جاتے تھے اور پھر ان کے بچے یتیم رہ جاتے تھے تو ان کی خبر گیری کا خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

"اگر کوئی ایسا مالدار ہو جو صحیح العقل نہ ہو مثلاً یتیم یا نابالغ ہو اور اندیشہ ہو کہ وہ اپنی حماقت سے اپنے مال کو ضائع کر دے گا تو تم (بطور کورٹ آف وارڈس کے) وہ تمام مال اس کا متکفل کے طور پر اپنے قبضہ میں لے لو۔ اور وہ تمام مال جس پر سلسلہ تجارت اور معیشت کا چلتا ہے ان بیوقوفوں کے حوالہ مت کرو"۔ اب قرآن کریم کو دیکھئے یہ کیسی حکمت کی بات ہے کہ جو مال بظاہر یتیموں وغیرہ کا ہے فرمایا یہ قومی خزانہ ہے۔ اگر بیوقوفوں کے سپرد کریں گے اور وہ ضائع کریں گے تو ساری قوم کا نقصان ہوگا۔ اس لئے یہ مال قوم کا ہے ان کی حفاظت کرو۔ جب تک ان کو عقل نہ آجائے اس وقت تک حسب ضرورت ان پر خرچ کرو۔ جب وہ صاحب عقل و فہم ہو جائیں اور ان کو پرکھ لو کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ مال کو ضائع نہیں کریں گے تب بے شک ان کو ان کا مال لوٹا دو بلکہ ضرور ان کا مال لوٹا دو۔ فرماتے ہیں: "اور اس مال میں بقدر ضرورت ان کے کھانے اور پہننے کے لئے دے دیا کرو اور ان کو اچھی باتیں قول معروف کی کہتے رہو۔ یعنی ایسی باتیں جن سے ان کی عقل اور تمیز بڑھے اور ایک طور سے ان کے مناسب حال ان کی تربیت ہو جائے اور جاہل اور ناتجربہ کار نہ رہیں۔ اگر وہ تاجر کے بیٹے ہیں تو تجارت کے طریقے ان کو سکھلاؤ اور اگر کوئی اور پیشہ رکھتے ہوں تو اس پیشہ کے مناسب حال ان کو پختہ کر دو۔ غرض ساتھ ساتھ ان کو تعلیم دیتے جاؤ اور اپنی تعلیم کا وقتاً فوقتاً امتحان بھی کرتے جاؤ کہ جو کچھ تم نے سکھلایا انہوں نے سمجھا بھی ہے یا نہیں۔ پھر جب نکاح کے لائق ہو جائیں یعنی عمر قریباً اٹھارہ برس تک پہنچ جائے اور تم دیکھو کہ ان میں اپنے مال کے انتظام کی عقل پیدا ہو گئی ہے تو ان کا مال ان کے حوالے کرو۔ اور فضول خرچی کے طور پر ان کا مال خرچ نہ کرو اور نہ اس خوف سے جلدی کر کے کہ اگر یہ بڑے ہو جائیں گے تو اپنا مال لے لیں گے ان کے مال کا نقصان کرو۔ جو شخص دولتمند ہو اس کو نہیں چاہئے کہ ان کے مال میں سے کچھ حق الخدمت لیوے۔ لیکن ایک محتاج بطور معروف لے سکتا ہے"۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۴۶)

﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ . وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ . وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا . وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ . وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ . وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾۔ (سورۃ البقرہ: ۲۲۹)

اور مطلقہ عورتوں کو تین حیض کی مدت تک اپنے آپ کو روکے رکھنا ہوگا۔ اور ان کے لئے جائز نہیں، اگر وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لاتی ہیں کہ وہ اس چیز کو چھپائیں جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کر دی ہے۔ اور اس صورت میں ان کے خاوند زیادہ حقدار ہیں کہ انہیں واپس لے لیں اگر وہ اصلاح چاہتے ہیں۔ اور اُن (عورتوں) کا دستور کے مطابق (مردوں پر) اتنا ہی حق ہے جتنا (مردوں کا) اُن پر ہے۔ حالانکہ مَردوں کو ان پر ایک قسم کی فوقیت بھی ہے۔ اور اللہ کامل غلبہ والا (اور) حکمت والا ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:-

"عورتوں کے حقوق کی جیسی حفاظت اسلام نے کی ہے ویسی کسی دوسرے مذہب نے قطعاً نہیں کی۔ مختصر الفاظ میں فرما دیا ہے۔ ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ﴾ کہ جیسے مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں ویسے ہی عورتوں کے مردوں پر ہیں۔ بعض لوگوں کا حال سنا جاتا ہے کہ ان بیچاریوں کو پاؤں کی جوتی کی طرح جانتے ہیں اور ذلیل ترین خدمات ان سے لیتے ہیں۔ گالیاں دیتے ہیں، حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور پردہ کے حکم ایسے ناجائز طریق سے برتتے ہیں کہ ان کو زندہ درگور کر دیتے ہیں۔ چاہئے کہ بیویوں سے خاوند کا ایسا تعلق ہو جیسے دو سچے اور حقیقی دوستوں کا ہوتا ہے۔ انسان کے اخلاق فاضلہ اور خدا تعالیٰ سے تعلق کی پہلی گواہ تو یہی عورتیں ہوتی ہیں۔ اگر انہی سے اُس کے تعلقات اچھے نہیں ہیں تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ سے صلح ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ۔ تم میں سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہل کے لئے اچھا ہے۔"

(البدر۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۸۔ بتاریخ ۲۲/مئی ۱۹۰۳ء۔ صفحہ ۱۳۷)

آگے ہے "وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ" کہ مَیں تم میں اپنے اہل سے سب سے زیادہ بہتر سلوک کرنے والا ہوں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا اپنی خواتین مبارکہ کے متعلق جو اسوہ ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ بظاہر جو مارنے کا حکم ہے اس کو بھی غلط سمجھا گیا ہے۔ جو شریف النفس انسان ہو اور اپنی بیوی کے حقوق کا خیال کرے تو یہ ناممکن ہے کہ اس کی بیوی اس حد تک سر اٹھائے کہ پھر وہ اس کو مارنے پر مجبور ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی بیگمات، امہات المومنین آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے سامنے بعض ایسی باتیں بھی کر دیا کرتی تھیں جس سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچتی تھی مگر آپ نے کبھی ہاتھ نہیں اٹھایا۔ کبھی ایک دفعہ بھی واقعہ ثابت نہیں کہ اپنی بیوی پر ہاتھ اٹھایا ہو۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارا اسوہ تو اسوۂ رسول ہی ہونا چاہئے۔ یہ جو قرآن کریم کی آیات کی غلط تشریح کر کے ہم سمجھتے ہیں کہ اب مارنے کی اجازت ہے یہ ناجائز بات ہے۔ میرے علم میں بعض احمدی ایسے ہیں جو یہ بہانہ کر کے کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھ اٹھانے کی اجازت دی ہے اپنی بیویوں پر بہت ظلم اور سختی روا رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ شریعت کے مطابق فعل کر رہے ہیں یہ بالکل حرام ہے۔ شریعت وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے سمجھی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے جس طرح شریعت کو اپنے اوپر نافذ فرمایا اور اپنی بیگمات پر نافذ فرمایا اس سے الگ شریعت بنانا بالکل ناجائز ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"قرآن شریف میں غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو یہ امر نہایت ہی ناگوار ہے کہ پرانے تعلقات والے خاوند اور بیوی آپس کے تعلقات کو چھوڑ کر الگ الگ ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُس نے طلاق کے واسطے بڑے بڑے شرائط لگائے ہیں۔ وقفہ کے بعد تین طلاق کا دینا اور ان کا ایک ہی جگہ رہنا وغیرہ۔ یہ امور سب اس واسطے ہیں کہ شاید کسی وقت اُن کے دلی رنج دُور ہو کر آپس میں صلح ہو جاوے۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ کبھی کوئی قریبی رشتہ دار وغیرہ آپس میں لڑائی کرتے ہیں اور تازہ جوش کے وقت میں حکام کے پاس عرضی پرچے لے کر آتے ہیں تو آخر دانا حکام اس وقت ان کو کہہ دیتے ہیں کہ ایک ہفتہ کے بعد آنا۔ اصل غرض ان کی صرف یہی ہوتی ہے کہ یہ آپس میں صلح کر لیں گے اور اُن کے یہ جوش فرو ہوں گے تو پھر ان کی مخالفت باقی (نہ) رہے گی۔ اسی واسطے وہ اس وقت اُن کی وہ درخواست لینا مصلحت کے خلاف جانتے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی مرد اور عورت کے الگ ہونے کے واسطے ایک کافی موقع رکھ دیا ہے۔ یہ ایک ایسا موقع ہے کہ طرفین کو اپنی بھلائی برائی کے سوچنے کا موقع مل سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾ یعنی دو دفعہ کی طلاق ہونے کے بعد یا اُسے اچھی طرح سے رکھ لیا جاوے یا احسان سے جدا کر دیا جاوے"۔

(الحکم۔ جلد ۷۔ نمبر ۱۳۔ بتاریخ ۱۰/اپریل ۱۹۰۳ء۔ صفحہ ۱۴)

یعنی طلاق میں دو دفعہ طلاق دینے کے بعد بھی اگر طبیعت مائل ہو تو پھر اچھی طرح رکھو تا کہ پھر بار بار طلاق کا سوال نہ پیدا ہو۔ اور اگر جدا بھی کرنا ہے تو احسان کے ساتھ خوش کر کے اس کو جدا کرو۔

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ. فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ . وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾. (سورۃ البقرہ: ۲۴۱)

اور تم میں سے جو لوگ وفات دیئے جائیں اور بیویاں پیچھے چھوڑ رہے ہوں، اُن کی بیویوں کے حق میں یہ وصیت ہے کہ وہ (اپنے گھروں میں) ایک سال تک فائدہ اٹھائیں اور نکالی نہ جائیں۔ ہاں! اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں اس بارہ میں جو وہ خود اپنے متعلق کوئی معروف فیصلہ کریں۔ اور اللہ کامل غلبہ والا (اور) صاحبِ حکمت ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:-

"یہ بھی جہاد ہی کی بات ہے۔ کیونکہ آخر مسلمان بھی مقتول ہوتے تھے۔ ان کی بیبیاں پیچھے رہ جاتیں۔ ان کے لئے وصیت فرمائی کہ ایک سال تک نہ نکالی جاویں"۔ یعنی حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کے نزدیک یہ عمومی نہیں ہے بلکہ جہاد کے دوران کا حکم ہے۔ مگر امر واقعہ یہ ہے کہ ایک عمومی حسن واحسان کی جو تعلیم ہے اس کو کسی وقت کے لئے خاص نہیں کرنا چاہئے۔ جتنا زیادہ سے زیادہ اس کا دائرہ بڑھایا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔ تو یہ حکم اب بھی چلتا ہے حالانکہ جہاد بظاہر نہیں ہو رہا۔ جن لوگوں کو اپنی بیویوں سے علیحدگی کرنی پڑے ان کو اپنے اہل وعیال کو نصیحت کرنی چاہئے کہ ان کو کم سے کم ایک سال تک اپنے گھر میں رہنے دو۔ اپنی مرضی سے چھوڑنا چاہیں تو چلی جائیں لیکن اگر نہیں چھوڑنا چاہتیں تو بے شک ان کا حق ہے کہ کم سے کم ایک سال اس گھر میں گزاریں جس میں اپنے خاوند کے ساتھ انہوں نے زندگی گزاری تھی۔

﴿اِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى. قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ. قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ. قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا . وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ (سورۃ البقرہ: ۲۶۱)

اور (کیا تُو نے اس پر بھی غور کیا) جب ابراہیم نے کہا اے میرے ربّ مجھے دکھلا کہ تُو مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ اُس نے کہا کیا تو ایمان نہیں لا چکا؟ اُس نے کہا کیوں نہیں مگر اس لئے (پوچھا ہے) کہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔ اس نے کہا تُو چار پرندے پکڑ لے اور انہیں اپنے ساتھ مانوس کر لے"۔ ﴿فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ﴾ کا جو بالکل غلط ترجمہ بعض علماء کی طرف سے کیا جاتا ہے وہ عربی گرامر کے لحاظ سے بالکل غلط ہے۔ ﴿فَصُرْهُنَّ﴾ کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو پارہ پارہ کر دے مگر پھر ساتھ ﴿اِلَيْكَ﴾ نہیں آئے گا۔ اپنی طرف پارہ پارہ کرنے کا جو مضمون ہے یہ عربی زبان اجازت ہی نہیں دیتی کہ اس قسم کا ترجمہ کیا جا سکے۔ صُرْهُنَّ کا دوسرا مفہوم ہے اپنے ساتھ مانوس کر لے۔ تو یہ اِلَيْكَ کے ساتھ بالکل ٹھیک لگتا ہے کہ چار پرندے پکڑ کر اور ان کو قیمہ قیمہ نہ کر بلکہ ان کو اپنے ساتھ بہت مانوس کر لے۔ ان کو سدھا جس طرح انسان طوطوں پرندوں وغیرہ کو اپنے ساتھ سدھا لیتے ہیں۔ تو پھر دوسرے بھی آواز دیں تو وہ اڑ کر چلے آتے ہیں۔ تو اس طرح کا یہ حکم تھا۔ "اس نے کہا تو چار پرندے پکڑ لے اور انہیں اپنے ساتھ مانوس کر لے، پھر ان میں سے ایک ایک کو ہر پہاڑ پر چھوڑ دے۔ پھر انہیں بُلا، وہ جلدی کرتے ہوئے تیری طرف چلے آئیں گے۔ اور جان لے کہ اللہ کامل غلبہ والا (اور) بہت حکمت والا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:-

"حضرت ابراہیمؑ کو ان کے ایک سوال پر اللہ تعالیٰ نے ایک دلیل بتائی ہے کہ کس طرح مُردے زندہ ہوں گے۔ اس پر فرمایا: دیکھ ان جانوروں کو جو جسم اور رُوح کا مجموعہ ہیں تیری ذرا سی پرورش کے سبب سے تیرے بلانے پر پہاڑیوں سے تیری آواز سن کر چلے آئیں گے تو کیا میں جو اُن کا حقیقی مالک اور ربّ پرورش کنندہ ہوں، میرے بلانے پر یہ ذرّات حیوان کے جمع نہیں ہو سکیں گے۔ اس نظارہ اور فعل پر بتاؤ کیا اعتراض ہے؟" (نورالدین۔ ایڈیشن سوم۔ صفحہ ۱۷۸۔۱۷۹)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

اخیر میں اللہ تعالیٰ کی صفت عزیز اور حکیم بیان کی ہے۔ یعنی اس کا غلبہ قہری ایسا ہے کہ ہر ایک چیز اس کی طرف رجوع کر رہی ہے بلکہ جب خدا تعالیٰ کا قرب انسان حاصل کرتا ہے تو اس انسان کی طرف بھی ایک کشش پیدا ہو جاتی ہے جس کا ثبوت سورۃ العادیات میں ہے۔ عزیز حکیم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا غلبہ حکمت سے بھرا ہوا ہے، ناحق کا دکھ نہیں ہے۔"

(الحکم۔ جلد ۷، نمبر ۱۵، بتاریخ ۲۴/اپریل ۱۹۰۳ء۔ صفحہ ۹)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"عزیز، خدا کا نام ہے۔ وہ اپنی عزت کسی کو نہیں دیتا مگر اُنہیں کو جو اُس کی محبت میں کھوئے گئے ہیں۔ ظاہر خدا کا نام ہے وہ اپنا ظہور کسی کو نہیں بخشتا مگر اُنہیں کو جو اُس کے لئے بمنزلہ اُس کی توحید اور تفرید کے ہیں اور ایسے اُس کی دوستی میں محو ہوئے ہیں جو اَب بمنزلہ اُس کی صفات کے ہیں۔ وہ اُن کو نور دیتا ہے اپنے نور میں سے۔ اور علم دیتا ہے اپنے علم میں سے۔ تب وہ اپنے سارے دل اور ساری جان اور ساری محبت سے اُس یار یگانہ کی پرستش کرتے ہیں اور اُس کی رضا کو ایسا چاہتے ہیں جیسا کہ وہ خود چاہتا ہے۔

انسان خدا کی پرستش کا دعویٰ کرتا ہے مگر کیا پرستش صرف بہت سے سجدوں اور رکوع اور قیام سے ہو سکتی ہے یا بہت مرتبہ تسبیح کے دانے پھیرنے والے پرستارِ الٰہی کہلا سکتے ہیں۔ بلکہ پرستش اُس سے ہو سکتی ہے جس کو خدا کی محبت اس درجہ پر اپنی طرف کھینچے کہ اس کا اپنا وجود درمیان سے اُٹھ جائے"۔

یہاں تسبیح کے دانوں کا ذکر آیا ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اور خلفائے راشدین اور آپ کے بعد کے اوّلین تبع تابعین نے بھی کبھی تسبیح نہیں پھیری۔ یہ بعد کے بہانے بنے ہوئے ہیں۔ پھپھا کٹنیاں ہاتھوں میں تسبیح پکڑ کر دانے پھیرتی رہتی ہیں۔ لوگوں کو بتانے کے لئے کہ ہم کتنی بزرگ عورتیں ہیں اور واقعۃً تسبیح کے وقت وہ چاہے گالیاں دے رہی ہوں یا کچھ اور بکواس کر رہی ہوں وہ ساری تسبیح دانوں کے ساتھ ہی چل رہی ہوتی ہے۔ اس لئے تسبیح پھیرنے کا کوئی رواج مسلمانوں میں، آنحضرتؐ اور آپؐ کے صحابہ اور خلفائے راشدین اور تبع تابعین سے نہیں آیا۔ یہ بہت بعد کے وقت کی ایجاد ہے۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تفصیل سے فرما رہے ہیں کہ: "اوّل خدا کی ہستی پر پورا یقین ہو۔ اور پھر خدا کے حسن واحسان پر پوری اطلاع ہو۔ اور پھر اُس سے محبت کا تعلق ایسا ہو کہ سوزشِ محبت ہر وقت سینہ میں موجود ہو اور یہ حالت ہر ایک دم چہرہ پر ظاہر ہو اور خدا کی عظمت دل میں ایسی ہو کہ تمام دنیا اُس کی ہستی کے آگے مُردہ متصوّر ہو اور ہر ایک خوف اُسی کی ذات سے وابستہ ہو اور اُسی کی درد میں لذّت ہو اور اُسی کی خلوت میں راحت ہو اور اُس کے بغیر دل کو کسی کے ساتھ قرار نہ ہو۔ اگر ایسی حالت ہو جائے تو اس کا نام پرستش ہے..... خدا کو اپنا حقیقی محبوب قرار دے کر اس کی پرستش کرنا یہی ولایت ہے جس سے آگے کوئی درجہ نہیں۔ مگر یہ درجہ بغیر اس کی مدد کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اُس کے حاصل ہونے کی یہ نشانی ہے کہ خدا کی عظمت دل میں بیٹھ جائے۔ خدا کی محبت دل میں بیٹھ جائے اور دل اُسی پر توکّل کرے اور اُسی کو پسند کرے اور ہر ایک چیز پر اُسی کو اختیار کرے اور اپنی زندگی کا مقصد اُسی کی یاد کو سمجھے۔ اور اگر ابراہیمؑ کی طرح اپنے ہاتھ سے اپنی عزیز اولاد کے ذبح کرنے کا حکم ہو۔ یا اپنے تئیں آگ میں ڈالنے کے لئے اشارہ ہو تو ایسے سخت احکام کو بھی محبت کے جوش سے بجالائے اور رضاجوئی اپنے آقائے کریم میں اُس حد تک کوشش کرے کہ اُس کی اطاعت میں کوئی کسر باقی نہ رہے۔ یہ بہت تنگ دروازہ ہے۔ اور یہ شربت بہت ہی تلخ شربت ہے۔ تھوڑے لوگ ہیں جو اس دروازہ میں سے داخل ہوتے ہیں اور اس شربت کو پیتے ہیں۔"

(حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن۔ جلد ۲۲۔ صفحہ ۵۴۔۵۵)

اب اس خطبہ کے بعد مسنون خطبہ بعد میں پڑھتا ہوں۔

خطبہ ثانیہ سے قبل حضور نے فرمایا کہ: "کھانسی میں مجھے خدا کے فضل سے پہلے سے کافی افاقہ ہے۔ کسی گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ جو علاج میں کر رہا ہوں اس سے جہاں تک ممکن ہے پہلے کی نسبت کافی فرق ہے۔ اور چوٹ جو لگی تھی اس میں بھی اب کافی فرق ہے، بہت نمایاں نظر آتا ہے۔

❁❁❁❁.....✿✿✿.....❁❁❁❁